کرشمۂ قدرت

از مولانا عبداللہ العمادی

کائنات کی ہر چیز اپنی قدرت و اقتدار کی نمایش چاہتی ہے مگر مبدع کائنات کی قدرت کاملہ کی نموداریوں کو دیکھتی ہی نہیں، اور اگر غلط انداز نظروں سے دیکھ بھی لیا تو آمادۂ تکذیب ہوگئے آج کی صحبت میں اسی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے جس کو سمجھنے اور جس سے عبرت حاصل کرنے کے لئے پہلے آپ سورۂ رحمان کی تلاوت کرلیجئے اور پھر اُس رحمان و رحیم کی قدرت دیکھئے۔

(۱)

سورۂ رحمان میں جا بجا فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کا تنبیہی فقرہ وارد ہوا ہے جس کے معنی "اے جماعت جن و انسان تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے" بتلائے جاتے ہیں۔ اس فقرہ کا نسق اس طرح واقع ہوا ہے کہ پہلے خدا کی نعمتیں مذکور ہیں۔ پھر ان پر متنبہ کیا گیا ہے مثلاً۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔

اور (اسی خدا نے) خلقت کے (فائدہ کے) لئے زمین بنادی ہے کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کی گیلوں) پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوتے ہیں اور (طرح طرح) کے اناج جو (بھوسی کے) خول میں ہوتے ہیں اور خوشبودار پھول ہیں۔ تو (اے جماعت جن و انسان) تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں سے مکرتے رہوگے؟

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس فقرہ کے قبل جابجا ایسی ترہیب و تہدید کی آیتیں بھی وارد ہیں جن سے نعمت و رحمت کا مفہوم مشکل سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثلاً:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلَانِ ۝ فَبِاَيِّ	اے دونوں گروہو عنقریب ہم تمہاری طرف کلیۃً متوجہ
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ	ہونے والے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں
وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا	سے تم دونوں مکرتے رہوگے۔ اے گروہ جن و انس
مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا	اگر تم سے ہوسکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں
لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ	(ہوکر کہیں کو) نکل بھاگو تو نکل دیکھو مگر کچھ ایسا ہی
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ	زور ہو تو نکلو (اور وہ تم میں نہ ہے اور نہ ہو) تو اے
مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ۔ فَبِاَيِّ	دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ فَاِذَا انْشَقَّتِ	سے مکرتے رہوگے۔ تم پر آگ کی کچی پکی لو برسائی جائیگی
السَّمَاۤءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ	کہ تم (اس کو) دفع نہ کر سکوگے۔ تو اے دونوں گروہو
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ فَيَوْمَئِذٍ له	تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں سے مکرتے رہوگے
لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَاۤنٌّ ۔	پھر جب (قیامت کے دن) آسمان پھٹا اور تیل کی
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ يُعْرَفُ	طرح (اس کی رنگت) لال ہوئی (وہ آخری فیصلہ کا
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ	دن ہوگا) تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی
وَالْاَقْدَامِ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ تو اس دن
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ	نہ تو گنہگار کے گناہ کی بابت کسی آدمی سے پوچھا جائیگا
يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ فَبِاَيِّ	اور نہ کسی جن سے له تو اے دونوں گروہو تم خدا کی کون
اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ (آیت ۱۵ ـ ۲۲)	کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے! اس دن گنہگار

له یہ ترجمہ ہم نے سب سے الگ ہوکر اس لئے کیا ہے کہ امام رازی نے اس آیت کی ترکیب میں ایک مشکل پیدا کر کے۔ بقیہ بر صفحہ ۲۶

ان کی صورت سے پہچان لیا جائے گا۔ پھر (ان کے) پٹھے اور پاؤں پکڑے جائیں گے۔ تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کو گنہگار لوگ جھٹلاتے ہیں (اور قیامت کے دن) اس میں اور کھولتے ہوئے پانی میں (بیقرار پڑے) پھریں گے۔ تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے"

اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے کوشش ہونے لگی کہ جس طرح ہوسکے وعید آخرت و عذاب جہنم وغیرہا سے بھی نعمت کی شان پیدا کی جائے اور ثابت کیا جائے کہ لوگ جس چیز کو عذاب سمجھ رہے ہیں اس میں بھی نعمت و رحمت کی ادائیں ہیں۔ اس بنا پر تاویلات ذیل غور طلب ہیں:۔

الف جن و انس کی جانب عذاب و ثواب پہنچانے کے لئے خدا کا متوجہ ہونا خود ہی نعمت ہے۔ اس سے بڑی اور نعمت کیا ہوگی کہ مطیع کو ثواب اور منکر کو عذاب دیا جائے گا۔ [۱]

(ب) آسمان و زمین کے دائرہ سے باہر نکل جانے کی دھمکی بھی نعمت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے جن و انس کے درمیان اس بات میں برابری کی نعمت عطا فرمائی ہے کہ اس کے ارادات و احکام کے خلاف نہ جن کوئی کام کر سکتے ہیں اور نہ انسان۔ [۲]

(ج) آگ کی کچی پکی لو برسائی جانے اور آسمان پھٹنے اور لال ہونے میں کوئی تاویل نہ چل سکی اور نعمت کا مفہوم ان چیزوں سے کسی طرح نہ نکل سکا۔ اس لئے علامہ ابن جریر نے اس آیت میں نعمت کی تاویل نظر انداز کر دی [۳]، مگر دوسرے مفسرین یہی کہتے چلے جاتے ہیں اور نعمت کا مطلب نکالنے کے باب میں خاموش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵ - اس کے دو جواب دئے ہیں۔ پہلا جواب ان کی رائے میں معمولی ہے اور دوسرے جواب کی نسبت لکھتے ہیں۔
"۔۔۔ وثانیہما وہو الادق وبالقبول احق ان یجعل ما بعد الیہ النظیر قبل الفعل بتقال تقدیرہ" فالمذنب یومئذ لا یسأل عن ذنبہ انس ولا جان"
ملاحظہ ہو جلد ۹ صفحہ ۲۵ ۔

[۱] ابن جریر۔ جلد ۲۷۔ آخر صفحہ ۱۷۔
[۲] ابن جریر جلد ۲۷۔ آخر صفحہ ۷۲، و اول صفحہ ۷۱،
[۳] ابن جریر۔ صفحہ ۷۴

ہو جاتے ہیں۔

(د) گنہگار کے گناہ کی بابت کسی دوسرے سے سوال نہ ہونا اس لئے نعمت ہے کہ صرف گنہگار پر عذاب ہوگا اور بے گناہ بری رہیں گے

(ھ) گنہگاروں کی پہچان قائم رہنا اور ان کی پکڑ دھکڑ ہونا بھی نعمت ہے کہ اُنہیں کی ذلت واہانت ہوئی اور دوسرے بچ گئے [۱]۔

(و) گنہگاروں کا جہنم سپرد کرنا اور انھیں کھولتے پانی میں ڈالنا بھی نعمت ہے اس لئے کہ وہ اس کے مستحق تھے۔ [۲]

(ز) نعمتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔

ایک نعمت ضروریات زندگی کا پیدا کرنا ہے مثلاً زمین جس پر ہم رہتے ہیں۔ اس کا پیدا کرنا بھی نعمت ہے یہ نہ ہوتی تو جگہ رہنے کے لئے کہاں سے آتی۔

نعمت کی دوسری قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کو بلا واسطہ ضروریات زندگی میں داخل کرنا تو مشکل ہے۔ مگر ہماری ضرورتوں میں کار برآری کے لئے اُن کا ہونا بھی لازمی ہے۔ مثلاً نظام شمسی کی حرکت اور سیاروں کی چال کہ بغیر ان کے نہ موسم بدل سکتے ہیں۔ اور نہ غلہ پیدا ہو سکتا ہے۔

تیسری قسم کی نعمت وہ ہے کہ گو محتاج الیہ نہ ہی مگر مفید ضرور ہے۔ مثلاً دریاؤں کا پیدا کرنا اور کشتیاں چلانا۔

چوتھی قسم کی وہ نعمت ہے کہ چاہے مفید نہو۔ مگر ان سے ایک طرح کی آرائش ہو جایا کرتی ہے۔ جیسے لعل و گوہر

یہ چاروں نعمتیں تو قوائے جسمانی کے متعلق ہوئیں۔ پانچویں نعمت جو سب سے بڑی ہے یہ ہے کہ خدا نے یہ جسمانی نعمتیں بھی انسان کو عنایت کیں اور ان سب سے اعلیٰ ایک روحانی نعمت بھی عطا فرمائی یعنی علم قرآن

---

[۱] ابن جریر صفحہ ۷۵ ؛ [۲] ابن جریر صفحہ ۷۵ ؛ [۳] ابن جریر صفحہ ۷۶۔

تعلیم (الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ)

یہ ہیں وہ تاویلیں جن کی بناپر فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ میں لفظ "الآء" کو نعمتوں کا مرادف ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن کیا اس حد تک پہنچ کر تحقیق کا خاتمہ ہوگیا اور آگے کے لئے کوئی بات باقی نہیں رہی اس کی تنقیح کے لئے ایک ذرا تامل کرنا چاہئے۔

(۲)

ان تاویلات کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے اس لئے کہ منکروں پر عذاب ہونا ممکن ہے کہ مطیع بندوں کے لئے رحمت و نعمت ہو کہ بارے اس بلا و مصیبت میں وہ ہی مبتلا ہوئے جو اس کے مستحق تھے غیر مستحق بچ تو رہے لیکن سوال یہ ہے کہ عذاب جہنم کی وعید تو صرف منکروں سے مخصوص ہے مطیع و مومن کو اس سے کیا تعلق آگ کی کچی پکی تو انھیں جن و انس پر برسائی جائے گی جنھیں خدا کی خدائی سے انکار تھا اور دنیا میں وہ اس کی عظمت و جبروت کو جھٹلایا کرتے تھے۔ آیات میں انھیں منکروں سے خطاب بھی ہے اور انھیں کو ڈرایا بھی گیا ہے ظاہر ہے کہ انکا گرفتار بلا ہونا دوسروں کے لئے نعمت ہو تو ہو خود ان کے لئے کسی طرح بھی نعمت نہیں۔ اور دوسروں کا جب یہاں تعلق ہی نہیں تو یہ بیل منڈھے چڑھے تو کیونکر؟ خطاب جو منکرین و مکذبین سے مستحق عذاب ہوں منکرین و مکذبین۔ عذاب میں خود ان کے لئے کسی قسم کی نعمت و رحمت کا شائبہ نہو۔ بایں ہمہ صرف پرائی نعمت کو یاد دلا دلا کے ان پر مار پڑے۔ وہی مثل ہوئی کہ ہمسایہ کو خلعت ملا اور مار مجھ پر پڑی کہ تو اس نعمت کی قدر نہیں کرتا اور احسان نہیں مانتا۔ رہی نعمتوں کی فلسفیانہ تقسیم۔ تو اس میں ہزار نکتے نکالے جائیں۔ اگر یہ باتیں اس وقت مفید ہو سکتی ہیں جب پہلے یہ ثابت ہولے کہ منکروں کا آگ میں جلایا جانا خود ان منکروں کے لئے رحمت نہیں ہے رحمت ہے۔ یہ کیا کہ رحمت کا تعلق مومنین سے ہو اور اس کا احسان کفار پر جتایا جائے یہ تو لسان الغیب کی دادخواہی ہوی کہ سے۔

لہ تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵

خدا را داد من بستاں از و اے شحنۂ مجلس
کہ مے با دیگراں خوردست و با من سرگراں دارد

(۳)

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ہر آیہ اور ہر سورہ اپنے ماقبل و مابعد سے مربوط و منتظم ہے۔ سورۂ رحمٰن سے پہلے سورۂ قمر ہے جس میں چاند جیسے عظیم الشان کرہ کے پھٹنے۔ فضائے آسمان کے پٹ کھولنے اور بڑی بڑی جبار اقوام کے پامال و فنا کر دینے کے اشارے ہیں اور ان سب کے تذکرہ سے خدا نے بندوں پر اپنی عظمت و جلال و قدرت کا سکہ بٹھایا ہے۔ سورہ رحمٰن کے بعد سورہ واقعہ ہے جس میں قیامت ہونے۔ زمین کے دہل اٹھنے۔ پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے بہشتیوں اور دوزخیوں پر رحمت اور عذاب ہونے سڑی گلی ہڈیوں پر گوشت و پوست پہنا کر آدمی بنانے مخلوقات کی شکل و ہیئت بدل دینے۔ و مثل ذٰلک کے تذکرے ہیں اور ان کی بھی یہی غرض ہے کہ کمزور بر خود غلط انسان کو جناب باری کی عظمت و اقتدار کا اندازہ ہو سکے۔ ان دونوں کے بیچ میں سورۂ رحمٰن ہے جس کا افتتاح اس پر ہے:۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ خَلَقَ	اس بڑے رحم والے معبود نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو
الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۔ اَلشَّمْسُ وَ	پیدا کیا۔ اُسے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب کے
الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ[۱] وَالشَّجَرُ	ساتھ (گردش میں) ہیں۔ اور بوٹے اور درخت

[۱] "نجم" ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور بوٹیوں کی جھاڑی کو بھی لیکن ستارے کی نسبت درخت کے ساتھ گل بوٹے کو زیادہ مناسبت ہے اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس و سعید و سُدّی و سفیان سے یہی روایت بھی کی ہے کہ اس آیت میں شجر سے مراد درخت ہے اور نجم سے بوٹیوں کی جھاڑی۔ خود ابن جریر بھی اختلاف کا تذکرہ کرکے لکھتے ہیں۔ داولی القولین قول من قال عنی بالنجم ما نجم عن الارض من نبت لعطف الشجر علیه فکان بان یکون معناہ لذلک ما قام علی ساق وما لا یقوم علی ساق یسجدان للہ بمعنی انه تسجد له الاشیاء کلها المختلفة الهیات من خلقه (یعنی نجم کے معنی میں ستارہ اور بوٹوں کی جھاڑی کے دو قول جو ہیں تو ان دونوں میں یہ قول زیادہ صحیح و صائب ہے کہ "نجم" سے مراد وہ نباتی جھاڑیاں ہیں جو زمین سے اگتی ہیں۔ اس لئے کہ لفظ "شجر" اسی پر معطوف ہے۔ گویا مطلب ہوا درخت جو ساق دار ہوتا ہے اور جھاڑی جو بے ساق کی ہوتی ہے دونوں خدا کے آگے سربسجود ہیں۔ یعنی اس کے مخلوقات میں تمام چیزیں جن کی شکل و ہیئات خواہ کتنی ہی مختلف ہو سب اس کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہیں۔ تفسیر ابن جریر ج ۲۷ [illegible]

يَسْجُدَانِ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ	بسجود ہیں؛ اور اُسی نے آسمان کو اونچا کیا اور ترازو بنادی
وَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِى	ہے کہ تم لوگ تولنے میں (حدِ اعتدال سے) تجاوز نہ کرو۔ اور
الْمِيْزَانِ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور کم نہ تولو۔ اور
وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ - وَالْاَرْضَ	اسی نے خلقت کے (فائدہ کے) لئے زمین بنا دی ہے کہ
وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ	اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کی گیلوں)
وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ - وَالْحَبُّ	پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اور (طرح طرح کے) اناج
ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ - فَبِاَيِّ	جو (بھوسی کے) خول میں ہوتے ہیں۔ اور خوشبودار پھول ہیں۔ تو
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - خَلَقَ	(اے جن و انسان کے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی
الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ	کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ اسی نے انسان (اول)
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ	کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کی لو
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ - رَبُّ	سے۔ تو (اے دو نو گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں
الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ فَبِاَيِّ	سے مکرتے رہوگے۔ (وہی جاڑے اور گرمی میں) آفتاب کے نکلنے کے
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ	دو (مختلف مقاموں) اور (ایسے ہی) ڈوبنے کے دو (مختلف)۔

[1] سجدہ سرجھکانے کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نہ درخت سرجھکاتے اور نہ جھاڑیاں سجدہ کرتیں۔ لیکن علامہ ابن جریر طبری نے ابورزین وسعید سے روایت کی ہے کہ ظلهما سجود هما۔ (یعنی درختوں اور جھاڑیوں کا سجدہ یہی ہے کہ ان کا سایا پڑا ابھرتا ہے۔ ابن جریر صفحہ (۶۲)۔ اصل میں سجدہ کے مفہوم میں غایت انکسار و تذلل و فرمان برداری مضمر ہے۔ اس لئے آیت میں سجدہ سے سرجھکانے کی ہیئات مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم مقصود ہے۔ علامہ ابوالسعود صفحہ (۲۰۲) میں لکھتے ہیں:- "يسجدان اى ينقاد له تعالىٰ فيما يريد بهما طبعًا انقياد الساجدين من المكلفين طوعًا" علامہ؛ درخت اور جھاڑیاں سجدہ کرتی ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا جس بات کو چاہتا ہے۔ وہ قدرتی طور پر اس امر میں حکم الٰہی کی مطیع رہتی ہیں اور یہ اطاعت ان کی اسی رنگ کی ہے جس رنگ میں کہ خدا کے مکلف بندے اظہار اطاعت کے لئے سجدہ کرتے رہیں)۔

يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۱۳-۱)

مقاموں کا مالک ہے۔ تو (اے دونو گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے" اسی نے دو (طرح کے) دریا نکالے کہ آپس میں ملتے ہیں (اور پھر بھی) دونوں میں ایک پردہ (رہتا) ہے کہ (اس سے ایک دوسرے کی طرف) بڑھ نہیں سکتے۔[ل] تو (اے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ نکلتے ہیں ان دونوں میں سے بڑے اور چھوٹے موتی۔[ت] تو (اے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے، اور اسی کے ہیں جہاز جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے (دکھائی دیتے) ہیں تو (اے دو گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ اس کرۂ زمین پر جتنے متنفس ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور (صرف) تیرے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی عظمت والی اور بزرگ ذات ہے۔ تو (اے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔

ل دو دریا نکالنے کے متعلق عجیب عجیب اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ مشکل پسند طبیعتوں کے نزدیک معمولی دریاؤں میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی کہ قرآن میں ان کا تذکرہ ہوتا اس لئے بات یہ پیدا کی کہ دو دریاؤں سے ایک وہ دریا مراد ہے جو آسمان میں ہے اور ایک وہ جو زمین ہے۔ یہ دونوں سال میں ایک مرتبہ ملجایا کرتے ہیں۔

دوسرے فریق نے غالباً یہ سمجھ کر کہ بحر فارس و بحر روم سے مسلمانوں کے تعلقات نہایت وسیع ہیں تعیین کردی کہ "مرج البحرین" میں خدا نے انہیں دونوں دریاؤں کا ارادہ کیا ہے۔

ابن جریر نے صفحہ ۶۸ میں یہ دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔ اور خود ان کی رائے میں پہلی روایت کو ترجیح ہے لیکن اس مشکل پسندی میں پھنسنے کی ضرورت کیا ہے۔ جس چیز کا تعین خدا و رسولؐ نے نہ کیا ہو اور عقل و علم بھی اس کے حامی نہ ہوں اس کو ماننا کیا ضرور ہے۔ کیوں نہ وہ تمام دریا اس سے مراد ہوں جو باہم ملتے ہیں اور پھر بھی جدا رہتے ہیں

(۴)

تاریخ شاہد ہے کہ عجمیت کے غلبہ نے عربیت کے خط وخال تک بدل دیئے اس طوفان میں عربی زبان اور اس کے اسلوب کا برقرار رہ جانا کچھ آسان نہ تھا، الفاظ تو وہی رہے، مگر معانی تبدیل ہوگئے لغویین نے، کہ سب کے سب عجمی تھے اِلّا ما شاء اللہ ... لے ہوئے معانی لغت میں ثبت کردیے کس کو فرصت کہ کلام جاہلیت کا تتبع کرے اور سمجھے کہ کلام اللہ جس زبان میں نازل ہوا اس کے کلمات کا مفہوم اس زبان میں کیا تھا۔

یہی دیکھیے کہ لفظ آلاء کے معنی سب نے نعمتوں کے قرار دیئے ہیں۔ علامہ زمخشری عربی زبان کے ایک مشہور ادیب ہیں اور عربیت میں ان کی دستگاہ مسلم ہے، مگر اپنی تفسیر میں وہ بھی اس سے قدم نہیں بڑھاتے

سے بقیہ صفحہ ۳۱۔ کمال اتصال پر بھی ایک دوسرے سے ممتاز رہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر زیادتی کا موقع نہ ملے۔

سے امام رازی نے یہ مانکر کہ آیت مذکورہ میں دو دریاؤں سے میٹھے اور کھارے پانی کے دو دریا مراد ہیں۔ خود ہی یہ اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں قسم کے دریاؤں سے موتی کیونکر پیدا ہوسکتے ہیں، موتی تو محض دریائے شور میں پیدا ہوتے ہیں میٹھے پانی کے سمندروں میں تو پیدا نہیں ہوتے اس اعتراض کا امام صاحب نے کئی طرح سے جواب دیا ہے۔

(۱) قرآن جب دعوی کر رہا ہے کہ دونوں قسم کے سمندروں سے موتی نکلتے ہیں تو اس کے خلاف انسانی تجربہ ناقابل تسلیم ہے۔

(۲) بالغرض دریائے شور ہی میں موتی پیدا ہوتے ہوں لیکن آخر پیدا تو صدف کے اندر مینھ کے قطرہ ہی سے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مینھ کو آسمان ہی کے دریا سے تعلق ہے۔

(۳) دونوں دریاؤں سے موتی پیدا ہونے کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہوں تو دونوں میں ہوں۔ کسی ایک میں بھی اگر پیدا ہوں تو مطلب نکل آیا۔ محاورہ میں کہتے ہیں خرج فلان من بلاد کذا۔ و دخل بلاد کذا۔ بلاد بلدہ کی جمع ہے۔ حالانکہ اس شخص کا داخلہ یا خروج کسی ایک خاص شہر سے ہوا کرتا ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۵۱-)

ان تاویلوں کے متعلق دریافت طلب یہ ہے کہ:- (۱) قرآن نے کب اور کہاں یہ دعوی کیا کہ مرج البحرین میں "بحرین" سے دریائے شور و دریائے شیریں مراد ہیں اور ان دونوں سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) صدف میں مینھ کے قطرے سے موتی کا پیدا ہونا خلاف تحقیق ہے۔ (۳) آخری تاویل قرین قیاس ہے بشرطیکہ تاویل کا مبنیٰ ضعیف نہ ہو۔

سے محاورۂ عرب میں بڑے موتیوں کو لؤلؤ اور چھوٹے کو مرجان کہتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس و قتادہ و ضحاک کی روایتیں بھی اس کی تائید میں نقل کی ہیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ۶۹)

اہل لغت میں صاحبِ لسان العرب کا خاص پایہ ہے مگر وہ بھی آگے نہیں بڑھتے[۱]

اکیلے ایک ابن جریر طبری ہیں کہ آلاء کے معنی "قدرۃ" لکھتے ہیں۔

لیکن اس معرکۂ جدل میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کلام اللہ جس زبان میں نازل ہوا آئیے اسی زبان اور اسی صدی کی زبان میں دیکھیں کہ اہل زبان اس کے کیا معنی سمجھتے تھے۔

کمیت اپنے گھوڑے کی صفت کرتا ہے۔

فرضیتُ آلاءَ الکمیت فمن یدع　　　فرسا فلیس جوادنا بمباع[۲]

حماسی اپنے ممدوح ولید بن ادہم کے اقتدار کا مرثیہ خواں ہے:-

اذا ما امرؤٌ اثنی بآلاءِ میّتٍ　　　فلا یبعد اللہ الولید بن ادہما

فضالہ فقر کی برائیاں گنتا ہے:-

وفی الفقر ذلٌّ للرقاب وقلّما　　　رأیتُ فقیراً غیرنکسٍ مُذمم

یلام وان کان الصواب بکفہ　　　وتُحمدُ آلاء البخیل المدرھم[۳]

لطف یہ ہے کہ خود صاحب لسان العرب نے مادہ "نبہ" میں طرفہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:-

کامل یجمع الآءَ الفتی　　　نبهٌ سیدُ ساداتٍ خضم[۴]

کلام میں تدبر کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں آلاء کو قدرت و اقتدار کے معنے میں استعمال کرتے تھے جو نعمت و عذاب دونوں پر یکساں حاوی ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اوصاف مراد لیتے تھے یہی معانی کلام عرب سے مترشح ہیں اور کلام اللہ میں ٹھیک اترتے ہیں۔

(۵)

---

[۱] - لسان العرب ج ۸ ص ۳۹۴ - [۲] کتاب الاقتضاب للبید الطوسی ص ۵۴ - [۳] کتاب المعمرین ۵۰

[۴] لسان العرب ج ۱۷ ص ۴۴۴ -

ایک بات کہنے سے رہ گئی، منشا غلط نابغہ کا یہ شعر تھا۔

ھم الملوک وابناء الملوک لھم   فضل علی الناس فی الآلاء والنعم

عجمی اہل لغت "نعم" پر "آلاء" کو قیاس کرکے دونوں کو مترادف سمجھے اور اس ترادف کو درست باور کرنے کے لئے پورا دیوان عجم بھرا پڑا تھا۔

فردوسی کہہ چکا ہے :۔

بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

سمجھے کہ انگبین و شہد ایک ہے تو "آلاء" اور "نعم" کیوں نہ ایک ہوں۔ اسلوب عرب سے گر آگاہ ہوتے تو مترادفات کا خیال ہی نہ آتا جس سے ادب عرب کو سروکار ہی نہ تھا۔ جاہلیت کا کوئی دیوان دیکھئے، ایک بیت میں ایک معنے کے لئے دو لفظ کبھی نہ لائیں گے اگر کسی نے یہ غلطی کی تو ساقط الاعتبار ہوگیا۔ نابغہ کا مطلب صاف ہے کہ "آلاء" یعنی اقتدارات اور نعمات دونوں میں اس کے ممدوحین کی فضیلت مسلم ہے۔

حاشیہ۔ آلاء جمع ہے اور ألی واحد، واحد کی صورت میں جب مکسور الاول لاتے ہیں تو اس سے عہد و پیمان مراد لیتے ہیں۔ اعشی کہتا ہے۔

ابیض لا یرھب الھزال "و لا"   یقطع رحما ولا یخون "إ لا"

جمع کی صورت میں جب آلار کو غیر ممدود لاتے ہیں تو اس سے ایک درخت مراد لیتے ہیں جس کے پھل دیکھنے میں تو خوش مزہ مگر چکھنے میں بہت تلخ ہوتے ہیں بشر بن ابی خازم کہتا ہے۔

فانکم ومدحکم بُجیرًا   ابا لجاءٍ کما امتدح "الالاء"

نعمت سے آلار کی تاویل بھی خوش منظر ہے، لیکن اہل ذوق کو اندیشہ ہے آلار کی طرح یہ بھی تلخ نہ ہو

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو کہ سورۂ رحمان کی ابتدا جہان خدا کی رحمت سے ہوئی ہے کہ سابق و لاحق کی جلال و جبروت کی باتوں سے انسان مرعوب ہو کر از خود رفتہ نہ ہو جائے۔ وہیں ساتھ کے ساتھ ایسے واقعات بھی یاد دلائے ہیں جو قدرت خداوندی کے عظیم الشان نمونے ہیں اور جن و انس کو ان پر تنبیہ کیا ہے کہ وہ قادر مطلق جس کی قدرت اس قدر وسیع ہو اس کے کون کون سے اقتدار سے مکر سکتے ہو۔ علامہ ابن جریر فرماتے ہیں۔

حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وهب	مجھ سے یونس نے روایت کی کہ ابن وہب نے انھیں
قال قال ابن زید فی قوله "فبایّ	اطلاع دی کہ "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" کے متعلق
اٰلاءِ ربکما تکذبان" قال "الاٰلاء	ابن زید کہتے ہیں کہ "آلاء" کے معنے قدرت کے ہیں۔ یعنی
القدرۃ فبایّ اٰلائه تکذب	خدا نے تمھیں اس طرح پیدا کیا۔ تم اے جماعت جن و انس
خلقکم کذا وکذا فبایّ قدرۃ اللہ	خدا کی کون کون سی قدرتوں کو جھٹلاؤ گے۔ [1]
تکذبان ایها الثقلان الجن والانس [1]	

امام رازی خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ انسان کو جو نعمتیں خدا نے دی ہیں جب ان کا گنانا مقصود تھا تو "جن" کے پیدا کرنے میں کون سی نعمت ٹھیری۔ اس اعتراض کے تین جواب دئے ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:۔

ان الاٰیة مذکورة لبیان القدرة	یہ آیۃ نعمت کا تذکرہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ قدرت
لا لبیان النعمة [2]	کا تذکرہ کرنے کے لئے ہے [2]

ایک دوسرے مقام پر یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (ان دو طرح کے دریاؤں

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ٦٥

[2] تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۳۔

ہیں سے بڑے چھوٹے موتی نکلتے ہیں، کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای نعمۃ عظیمۃ فی اللؤلؤ و المرجان حتی یذکرھما اللہ تعالیٰ مع نعمۃ تعلم القرآن وخلق الانسان ؟	بڑے چھوٹے موتی ہیں کون ایسی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم اور انسان کی آفرینش کے ساتھ میں اس کا بھی تذکرہ کیا؟

اس اعتراض کے دو جواب دئے ہیں۔ ایک وہ جس میں نعمتوں کی تقسیم کی ہے اور جس کو حرف (ز) کے تحت ہم نقل کر چکے ہیں۔ دوسری توجیہ حسب ذیل ہے:—

ھذہ بیان عجائب اللہ تعالیٰ لا بیان النعم [1]	یہ اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کا بیان ہے۔ نعمتوں کا بیان نہیں ہے۔ [1]

آلاء کو قدرت کا مماثل مان لینے کے بعد کسی تاویل کی حاجت نہیں رہتی۔ رحمت و نعمت و عذاب ان سب کا مفہوم اسی قدرت کے تحت آجاتا ہے؟

[1] تفسیر کبیر ص ۱۵۔

منظر الکرام

تالیف

سید منظر علی اشہر

حیدرآباد دکن کے زندہ اکابر و مشاہیر کا تذکرہ ہے جدید حیدرآباد کی اعلیٰ شخصیتوں کے متعلق اس سے بہتر ذخیرہ معلومات اب تک مرتب نہیں ہوا۔ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی نے اسکو حوالہ کی ایک عمدہ کتاب قرار دیکر دفاتر و مدارس تحت کو اس کے خریدنے کی ہدایت کی ہے

قیمت ۲ روپیہ۔ مولف سے نظام والنیرز کلب خیریت آباد حیدرآباد دکن کے پتہ پر طلب کیجئے۔